سورۃ البقرۃ

آیات ۶۵—۶۶

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲:۴۲ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ
فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا
نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

۲:۴۲:۱ اللغۃ

[وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ] جو وَ + لَ + قَدْ + عَلِمْتُمْ (جس میں آخری "میم" کا ضمہ (ـُ) آگے ملانے کے لیے ہے) کا مرکب ہے۔ ان تمام اجزاء پر الگ الگ پہلے کئی جگہ بات ہوئی ہے مثلاً "وَ" کے استعمالات پر [۱:۴:۱(۳)] اور [۲:۷:۱(۱)] میں۔ "لَ" (لام مفتوحہ پر ابھی اوپر البقرۃ:

۶۴ [۲:۴۱:۱(۶)] میں - "قد" کے مواقع استعمال پر البقرہ: ۶۰ [۲:۳۸:۱(۸)] میں بات ہو چکی ہے اور "علمتم" (جس کا وزن "فَعِلْتُم" ہے) کے مادہ (ع ل م) اور اس سے فعل مجرد (علم یعلم = جاننا) کے باب اور معنی وغیرہ پر [۱:۲:۱(۴)] اور البقرہ: ۱۳ [۲:۱۰:۱(۳)] میں بحث ہو چکی ہے۔

● اس طرح " ولقد علمتم " کا لفظی ترجمہ ہے " اور تم نے ضرور جان لیا " جس کی مختلف بامحاورہ صورتیں (خصوصاً " لقد " کے مفہوم تاکید کو ظاہر کرنے کے لیے) اختیار کی گئی ہیں مثلاً " اور تم خوب جان چکے ہو، اور تم کو ضرور معلوم ہے، اور تم تو جانتے ہی ہو، تم اچھی طرح جان چکے ہو" وغیرہ۔

[الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ] اس میں ابتدائی " الذین " تو اسم موصول برائے جمع مذکر بمعنی " وہ سب جو" ہے جس کا یہاں ترجمہ " ان لوگوں کو جنہوں نے " ہو گا کیونکہ یہاں " الذین " مفعول ہو کر آیا ہے جیسا کہ اعراب میں بیان ہو گا۔ آخری " منکم " جار مجرور (من + کم) ہے بمعنی " تم میں سے "۔ درمیانی کلمہ " اعتدوا " کا مادہ " ع د و " اور وزن اصلی " اِفْتَعَلُوْا " ہے یہ دراصل " اِعْتَدَوُوْا " تھا جس میں واو الجمع سے پہلے والا حرف علت (جو یہاں " و " ہے) گر جاتا ہے اور اس سے ماقبل والے حرف صحیح کی حرکت فتحہ (ـَـ) برقرار رہتی ہے۔ اس طرح یہ لفظ " اعْتَدَوْا " کی شکل میں لکھا اور بولا جاتا ہے۔

● اس مادہ سے فعل مجرد (عدا یعدُو = دوڑنا وغیرہ) کے باب و معنی وغیرہ پر البقرہ: ۳۶ — [۲:۲۶:۱(۱۹)] میں بات ہوئی تھی اور اس مادہ سے باب افتعال (اعتدی یعتدی) کے معنی وغیرہ پر البقرہ: ۶۱ [۲:۳۹:۱(۱۹)] میں بات ہوئی تھی۔ زیر مطالعہ لفظ " اعتدوا " اس مادہ سے باب افتعال کا ہی فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ہے اور اس کا ترجمہ بنتا ہے " وہ حد سے نکل گئے " اور اس طرح " الذین اعتدوا منکم " کا ترجمہ ہو گا " وہ جو حد سے نکل گئے تم میں سے "۔ جس کی بامحاورہ صورتیں " جنہوں نے زیادتی کی " جنہوں نے تجاوز کیا " جنہوں نے سرکشی کی " اختیار کی گئی ہیں سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔

۲:۴۲:۱(۱) [فِي السَّبْتِ] " فی " کے معنی یہاں " کے بارے میں " ہوں گے " فی " کے مواقع استعمال کے لیے دیکھئے [۱:۱:۲(۵)] نیز [۲:۱۴:۱(۴)]۔ کلمہ " السبت " کا مادہ " س ب ت " اور وزن لام تعریف کے بغیر " فَعْلٌ " ہے اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد " سبَت یسبِت سبْتاً (باب نصر اور ضرب سے) آتا ہے اور اس کے متعدد معنی ہیں مثلاً (۱) " آرام کرنا "۔ کہتے ہیں سبَت الرجلُ ای استراحَ (آدمی نے آرام کیا) (۲) " کسی چیز کو کاٹ دینا " کہتے ہیں " سبتَ الشیئَ ای قطعہ (اس نے چیز کو کاٹ دیا) (۳) " سبت " یا ہفتہ منانا یعنی سبت کے احکام کی پابندی کرنا (یہودیوں کے لیے

سبت کے کچھ احکام تھے) مثلاً کہیں گے "سبت الرجلُ ای قام بأمرالسبت" یا "دخل فی السبتِ" (اس نے سبت کی پابندی کی یا وہ ہفتہ کے دن میں داخل ہوا) ۔ قرآن حکیم میں اس فعل مجرد سے صرف ایک ہی صیغہ مضارع ایک جگہ (الأعراف : ۱۶۳) آیا ہے ۔ اور وہ بھی مندرجہ بالا تیسرے معنی میں آیا ہے ۔ اس مادہ سے مزید فیہ کا کوئی فعل قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔

● زیر مطالعہ لفظ "السبت" جو اس فعل مجرد کا مصدر بھی ہے اور اس سے اسم بھی ہے اور اس کے بھی اگرچہ کئی معنی ہیں تاہم اس کے مشہور معنی "ہفتہ کا دن" (یعنی جمعہ اور اتوار کے درمیان والا دن) ہیں جو یہودی مذہب میں مقدس اور آرام کا دن یعنی مکمل چھٹی کا دن ہے ۔ اور ان کی شریعت میں اس کے خاص احکام ہیں اور یہ شریعت موسوی کے اہم احکام میں سے ہیں ۔ ان احکام کی خلاف ورزی پر یہودیوں کے کسی گروہ یا آبادی پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کا واقعہ قرآن میں (الاعراف : ۱۶۰ تا ۱۶۶) بیان ہوا ہے ۔ اور چار دیگر مقامات پر بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے ایک یہ (زیر مطالعہ) مقام ہے ۔

● یہاں "فی السبت" کا لفظی ترجمہ تو ہے "ہفتے کے بارے میں" اور اسی کو "سبت کے بارے میں" اور "دربارۂ یوم ہفتہ" کی صورت دی گئی ہے ۔ بعض نے صرف "ہفتہ کے دن میں" ترجمہ کیا ہے جو اصل مفہوم (ہفتہ کے احکام کے بارے میں) کو واضح نہیں کرتا اور بعض نے صرف "ہفتہ کے دن تے" ترجمہ کیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے "ہفتہ کے دن" کوئی کام کیا تھا ۔ حالانکہ اصل بات "ہفتہ کے دن کے احکام کے بارے میں سرکشی کرنے کی ہوئی ہے ۔

[فَقُلْنَا لَهُمْ] یہ "فَ" (پس) + "قُلْنَا" (ہم نے کہا) + "لِ" (کو) + "ھُم" (ان کو) سے مرکب جملہ ہے۔ یہ الفاظ کئی دفعہ گزر چکے ہیں ان کا صرف ترجمہ ہی لکھ دینا کافی ہے بلکہ شاید اس کی بھی ضرورت نہیں۔ فعل "قُلنا" (جس کا مادہ "ق ول" اور وزن اصلی "فَعَلْنَا" ہے) کے باب اور معنی وغیرہ کے علاوہ خود اس صیغہ فعل (قلنا) کی لغوی وضاحت اور صرفی تعلیل وغیرہ البقرہ : ۳۴ [۲ : ۲۵ : ۱ (۱)] میں ہو چکی ہے ۔ یہاں اس عبارت کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "پس کہا ہم نے ان سے" یعنی "ہم نے ان سے کہا" اور چونکہ یہاں "قلنا" میں ضمیر تعظیم "نحن" اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس لیے اس کا مرادی ترجمہ "ان کے بارے میں ہمارا حکم جاری ہوا" کی صورت میں بھی کیا گیا ہے ۔

[كُونُوا] کا مادہ "ک ون" اور وزن اصلی "اُفْعُلُوا" ہے ۔ اصلی شکل "اُكْوُنُوا" بنتی تھی جس میں اصل مادہ والی "و" (جو عین کلمہ ہے) کی حرکت ضمہ (ـُ) اس کے ماقبل حرف صحیح ("ک" جو فاء کلمہ ہے) کو دے دی جاتی ہے اس کے بعد ابتدائی ہمزۂ وصل کی ضرورت نہیں رہتی اور لفظ "کونوا" بن جاتا

ہے۔اس فعل (کان یکون) کے معنی و استعمال پر البقرہ: ۱۰ [۲:۸:۱:۱(۱۰)] میں مفصل بات ہوئی تھی۔" کُونُوا" اس فعل سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ ہے" تم سب ہوجاؤ"۔اس فعل (کان یکون) سے فعل امر کی گردان (کی استعمالی صورت) یوں ہے" کُنْ، کُوْنَا، کُوْنُوا، کُوْنِیْ، کُوْنَا اور کُنَّ "۔ اور ہر ایک صیغے میں تعلیل الگ الگ طریقے سے ہوتی ہے۔ بہرحال قابل غور تبدیلی یہ ہے کہ پہلے (واحد مذکر حاضر) اور آخری (جمع مؤنث حاضر) صیغے میں" و" (جو عین کلمہ ہے) گرا دی جاتی ہے۔ اور یہ قاعدہ تمام اجوف افعال میں استعمال ہوتا ہے۔

۲:۴۲:۱(۲) [قِرَدَةً] کا مادہ" ق ر د" اور وزن" فِعَلَةٌ" ہے (آیت میں لفظ منصوب آیا ہے) یہ لفظ (قِرَدَةٌ) جمع مکسر ہے اور اس کا واحد" قِرْدٌ" بروزن" فِعْلٌ" ہے۔اس مادہ سے فعل مجرد" قَرَدَ یَقْرِدُ قَرْدًا (باب ضرب سے) آئے تو اس کے معنی" مال کمانا اور اکٹھا کرنا" ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں" قَرَدَ المالَ لِعِیالِہ" (اس نے اپنے گھر والوں کے لیے مال کمایا) اور قَرِدَ یَقْرَدُ قَرَدًا (باب سمع سے) کے متعدد معنی ہوتے ہیں مثلاً (۱) اونٹ کے بدن پر بکثرت" قُراد" (ایک قسم کی چچڑی، طفیلی کیڑا) پایا جانا" (۲) بالوں یا اون کے کنارے خراب ہوجانا (۳) عاجز اور ذلیل ہوکر چپ ہوجانا وغیرہ اور اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض افعال بھی مختلف معانی کے لیے آتے ہیں۔

تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو اس مادہ سے صرف یہی لفظ (قِرَدَةٌ) بصورت معرفہ یا نکرہ صرف تین جگہ وارد ہوا ہے۔

● " قِرْدٌ" (جس کی ایک جمع مکسر یہ" قِرَدَةٌ" ہے جو قرآن میں استعمال ہوئی ہے۔ ویسے اس کی جمع" اَقْرادٌ" اور" قُرُوْدٌ" بھی ہوتی ہے) اس مادہ سے ایک اسم ہے جس کے معنی ہیں" بندر" یعنی یہ معروف جانور کا نام ہے جو اپنی شکل و صورت میں انسان سے مشابہت اور نقل اتارنے کی استعداد میں مشہور ہے اسے فارسی میں" بوزنہ" اور انگریزی میں monkey یا ape کہتے ہیں۔

۲:۴۲:۱(۳) [خٰسِئِیْنَ] اس لفظ کا (جو یہاں عام املاء اور ضبط کے ساتھ لکھا گیا ہے (قرآنی رسم و ضبط آگے بیان ہوگا) مادہ" خ س ء" اور وزن" فاعِلِیْنَ" ہے۔ اس مادے سے فعل مجرد" خَسَأَ یَخْسَأُ خَسْأً" (باب فتح سے) آتا ہے اور لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے بطور فعل لازم اس کے معنی ہیں (۱)" عاجز و ناکام ہونا" یہ استعمال قرآن کریم میں (الملک: ۴) آیا ہے (۲)" کتے کا (دھتکارنے پر) دور چلے جانا" اور اس طرح اس کے معنی ہیں" ذلیل ہوجانا" یہ استعمال بھی قرآن کریم (المؤمنون: ۱۰۹) میں آیا ہے۔ اور بطور فعل متعدی اس (فعل) کے معنی ہیں" کتے وغیرہ کو دھتکار کر دور بھگا دینا" قرآن کریم میں یہ متعدی والا استعمال کہیں نہیں آیا۔

● اس طرح اس فعل کے استعمال (لازم متعدی) میں مطاوعت پائی جاتی ہے ۔ مثلاً کہتے ہیں "خَسَأہٗ فخَسَأَ" اور بعض کہتے ہیں خَسَأہ (ف) خَسْأً فخَسِئَ (س) خُسُوْءًا یعنی باب اور مصدر کے فرق کے ساتھ (اس نے اسے دھتکار دیا اور وہ دھتکارا ہوا ہو کر رہ گیا) یوں اس فعل میں "حقیر ہونا" یا "ذلیل ہو کر رہ جانا" کا مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے ۔ اس فعل مجرد سے فعل امر کا صرف ایک صیغہ قرآن کریم میں صرف ایک جگہ (المومنون: ۱۰۹) آیا ہے اور اس سے مشتق اسم الفاعل (واحد اور جمع) کے صیغے کل تین جگہ آئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ (خاسِئِین) اس فعل مجرد سے اسم الفاعل کا صیغہ جمع مذکر سالم ہے یعنی یہ "خاسِئٌ" کی جمع (بحالت نصب) ہے اور "خاسِئٌ" کے معنی (اوپر بیان کردہ افعال کی روشنی میں) بنتے ہیں: "عاجز و ناکام" اور "ذلیل و خوار" (ہو جانے والا) اور یہ فعل کے متعدی استعمال کے مطابق اسم المفعول (جو دھتکارا ہوا ہو کر رہ گیا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ اسی لیے اس کا ترجمہ "ذلیل، پھٹکارے، دھتکارے ہوئے" اور "ذلیل و خوار" کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔

[فجعلناھا] (یہ بھی برسم املائی لکھا گیا ہے) جو "فَ (پس) + جَعَلْنَا (ہم نے بنا دیا، کر دیا) + ھَا (اس کو) کا مرکب ہے ۔ اس میں وارد فعل "جَعَلْنَا" (بروزن "فَعَلْنَا") کے مادہ (جعل) اور اس سے فعل مجرد (جعَل یجعَل = بنانا) کے باب اور معنی و استعمال پر البقرہ: ۱۹ [۲:۱۴:۱(۷)] میں بات ہو چکی ہے اس طرح "فجعلناھا" کا ترجمہ "ہم نے کیا اس (قصے) کو، ہم نے بنایا اس (واقعہ) کو، ہم نے اس (قصے) کو بنایا" وغیرہ کی شکل میں کیا گیا ہے جس میں "واقعہ اور قصہ" وغیرہ کے الفاظ ضمیر "ھا" کی وضاحت کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔

<u>۲:۴۲:۱(۴)</u> [نَکَالاً] کا مادہ "ن ک ل" اور وزن "فَعَالاً" ہے یعنی یہ منصوب ہے (وجہ اعراب میں بیان ہو گی)۔ اس مادہ سے فعل مجرد "نکَل ینکُل نُکُولاً" (باب نصر سے) آتا ہے اور کبھی باب سمع سے "نکِلَ ینکَل نَکَلاً" بھی آتا ہے اور یہ فعل بھی لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں (۱) "بزدل ہونا، پیچھے مڑ جانا، پسپا ہونا" اور (۲) "کسی کو پیچھے دھکیل دینا، پسپا کرنا" اور عموماً اس کے ساتھ (لازم متعدی دونوں صورتوں میں) "عَنْ" کا صلہ لگتا ہے مثلاً کہتے ہیں "نکل عن العدوّ" (دشمن کے سامنے سے بھاگ نکلا) یا "نکل عن الیمینِ" (وہ قسم سے پھر گیا) یا "نکل فلاناً عن الشیئِ" (اس نے فلاں کو (اس) چیز سے پرے بھگا دیا، دور کر دیا)۔ اور کبھی یہ فعل "باءِ (ب)" کے صلہ کے ساتھ "کڑی سزا دینا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "نکل بِفلانٍ" (اس نے فلاں پر آفت لا ڈالی۔ یا فلاں کو (دوسروں کے لیے) عبرت بنا دیا)۔ اس مادہ سے (عام عربی میں) مزید

فیہ کے بعض ابواب سے بھی مختلف معنی کے لیے فعل آتے ہیں ۔تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا فعل استعمال نہیں ہوا۔

● البتہ اس مادہ سے ماخوذ ہی لفظ " نکال" قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے اور ایک جگہ (المزمل:۱۲) لفظ " أَنْكَالٌ " (جو " نِكْلٌ " بمعنی " بیڑی " کی جمع ہے) اور ایک ہی جگہ (النساء: ۸۴) لفظ " تَنْكِيلٌ " (جو اس سے باب تفعیل کا مصدر ہے) آیا ہے ۔ان پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ " نکال " اس مادہ سے ماخوذ ایک اسم جامد ہے اور اس کے معنی " بندش "، وبال " اور " عبرتناک " ہیں۔ اور اسی سے اس میں دوسروں کے لیے " نمونۂ عبرت ، باعثِ عبرت " کے معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی جس کی حالت دیکھ کر دوسرے لوگ وہ کام کرنے سے رک جائیں اور بچیں۔ اور اسی وجہ سے بعض مترجمین نے " نکال " کا ترجمہ " بندش " اور " دہشت " ہی کیا ہے۔

<u>۲:۴۲:۱(۵)</u> [لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا] کا ابتدائی " لِمَا " تو " لِ " (کے لیے) اور " مَا " (جو کچھ کہ) کا مرکب ہے یعنی " اس کے لیے جو کہ "۔ لام (لِ) کے معنی و استعمال پر سورۃ الفاتحہ کے شروع میں [۱:۲:۱(۴)] میں اور " مَا " کے لیے البقرہ ۲۶ [۲:۱۹:۱(۳)] دیکھ لیجئے۔

" بَيْنَ يَدَيْهَا " بھی تین کلمات " بَيْنَ ، يَدَيْ " اور " ها " کا مرکب ہے جس میں آخری (ها) تو ضمیر مجرور مؤنث بمعنی " اس کا / کے / کی " ہے۔

● لفظ " بَيْنَ " کا مادہ " ب ی ن " اور وزن " فَعْلَ " (لام کی فتحہ (ـَ) کے ساتھ ہے)۔ اس مادہ سے متعدد فعل اور دیگر ماخوذ اور مشتق کلمات قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس مادہ سے فعل مجرد پر ہم وہاں بات کریں گے جہاں اس مادہ سے کوئی فعل سامنے آئے گا (اور یہ موقع ابھی آگے البقرہ: ۶۸ [۲:۴۳:۱(۶)] میں آرہا ہے) یہاں ہم صرف لفظ " بَيْنَ " کے معنی و استعمال پر بات کرتے ہیں۔

● یہ لفظ (بَيْنَ) جس کا اردو ترجمہ " درمیان / کے درمیان " کیا جاتا ہے ۔یہ ایک مُبہم (غیر واضح) ظرف ہے جو " قَبْلَ اور بَعْدَ " کی طرح زمان اور مکان (وقت اور جگہ) دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی کسی چیز کی اضافت کے بغیر واضح نہیں ہوتے۔ اس کے مضاف الیہ کم از کم دو شخص یا چیزیں ہونے چاہئیں۔ مثلاً کہیں گے " بَيْنَ الظُّهرِ والعصرِ " (ظہر اور عصر کے درمیان) یا مثلاً " بین السماءِ والارضِ " (البقرہ: ۱۶۴) یعنی آسمان اور زمین کے درمیان۔

● البتہ بعض دفعہ دو کی بجائے ایک ہی مضاف الیہ آتا ہے جیسے " بَيْنَ ذٰلِكَ " (الفرقان: ۶۷ یا النساء ۱۴۳) یعنی " اس کے درمیان " جو دراصل " بَيْنَ ذٰلِكَ وذٰلِكَ " ہے یعنی " اس اور اس کے درمیان —

یعنی دوسرا مضاف الیہ محذوف ہے۔

● کبھی "بَینَ" "کے درمیان" کی بجائے "کے سامنے کے معنی میں (یعنی أمام یا قُدّام کی بجائے) استعمال ہوتا ہے جس کی مثال یہی زیرِ مطالعہ ترکیب "بَینَ یَدَیھَا" ہے جیسا کہ آگے اس کی وضاحت آرہی ہے۔

● کبھی "بَینَ" اور اس کا مضاف الیہ (پورا مرکب اضافی) کسی دوسرے لفظ کا مضاف الیہ ہو کر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "ھذا فِراقُ بَینِی و بَینِكَ" (الکہف: ۱۰۹) (یعنی یہ میرے اور تیرے درمیان کی جدائی ہے)۔ اس صورت میں "بینَ" مجرور ہو کر "ن" کی کسرہ (ـِ) کے ساتھ "بینِ" آتا ہے۔

● کبھی قَبلُ اور بَعدُ کی طرح "بینَ" سے پہلے "مِن" بھی لگتا ہے جس سے یہ (بین) بھی مجرور (بکسر النون) آتا ہے جیسے "من بینِ فَرثٍ ودمٍ" (النحل: ۶۶) یعنی "گوبر اور خون کے درمیان میں سے۔

● اگر دو ضمیروں یا ایک ضمیر اور دوسرے اسم ظاہر سے پہلے "بینَ" مضاف ہو کر آئے تو لفظ "بینَ" کی تکرار کرنی پڑتی ہے (کیونکہ دو ضمیریں باہم عطف نہیں ہوتیں) جیسے "بینَنا وبَینَکم" (یونس: ۲۹) یا "بَینَکم وبَینَھُم" (النساء: ۹۲) میں ہے یعنی "ہمارے اور تمہارے درمیان" یا "تمہارے اور ان کے درمیان"۔ اسی طرح "بینَنا وبینَ قومِنَا" (الاعراف: ۸۹) یعنی "ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان"۔

● اس سے اگلا لفظ "یَدَی" ہے یہ دراصل لفظ "یَدٌ" (بمعنی ہاتھ) کا صیغہ تثنیہ "یَدَان" تھا جو "بینَ" کا مضاف الیہ (مجرور) ہونے کی وجہ سے "یَدَینِ" ہوگیا۔ اور پھر آگے ضمیر مجرور "ھا" کی طرف مضاف ہونے کی بنا پر اس کا آخری (اعرابی) نون گر کر باقی "یَدَی" رہ جاتا ہے جو اپنے مضاف الیہ (ھا) کے ساتھ مل کر "یَدَیھا" بنتا ہے۔

● اور لفظ "یَدٌ" کا مادہ "ی د ی" اور وزن اصلی "فَعلٌ" ہے اس لفظ کی اصلی "یَدْیٌ" تھی (یعنی یَدْیُنْ) جس میں متحرک حرف علت لام کلمہ (یاء) کی حرکت اس کے ماقبل حرف صحیح (د) کو دی جاتی ہے اور خود اس (یاء) کو ماقبل کی حرکت ضمہ (ـُ) کے موافق حرف "و" میں بدل دیا جاتا ہے اور لفظ "یَدُوْنْ" بنتا ہے۔ اب اس میں دو ساکن ("و" اور "ن") جمع ہو جاتے ہیں تو حرف علت (و) گرا دیا جاتا ہے اور لفظ "یَدُن" رہ جاتا ہے اسی کو "یَدٌ" (بتنوین دال) لکھا جاتا ہے۔ یعنی یَدْیٌ = یَدْیُنْ = یَدُیْنْ = یَدُوْنْ = یَدُنْ = یَدٌ۔

● اس مادہ (یدی) سے (جو لفیف مفروق کی ایک مثال ہے) فعل مجرد مختلف ابواب سے مختلف معانی کے لیے آتا ہے (۱) یَدَی یَدِی (دراصل یَدَیَ یَیْدِیُ) باب "ضَرَبَ" سے (وَنَی یَنِی کی طرح) آتا ہے (مثال کے مضارع میں فاکلمہ کو گرا دیا جاتا ہے) اور اس کے معنی ہوتے ہیں "کسی کے ہاتھ پر وار کرنا" یا "ہرن وغیرہ جانور کا اگلا پاؤں جال میں پھنس جانا" اور (۲) یَدِیَ یَیْدَی یَدْیًا (باب سمع سے)

کے معنی ہوتے ہیں "کسی کا ہاتھ خشک یا ضائع ہو جانا" کہتے ہیں : یَدِیَ فلانٌ (اس کا ہاتھ جاتا رہا یا وہ کمزور ہوگیا) اور اسی باب سے "یدِیَ فلانٌ من فلانٍ" کے معنی ہوتے ہیں: "فلاں نے فلاں سے حسن سلوک پایا"۔ اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض افعال بھی مختلف معانی کے لیے آتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن کریم میں اس مادہ (ی د ی) سے ماخوذ یہی ایک لفظ "یَدٌ" (واحد، تثنیہ، جمع، معرفہ، نکرہ اور مفرد یا مرکب مختلف صورتوں میں) ۱۲۰ کے قریب مقامات پر وارد ہوا ہے۔

● "یَدٌ" کے بنیادی معنی "ہاتھ" ہیں۔ عربی میں کندھے سے لے کر انگلیوں کے سروں تک والے حصے یعنی "بازو" کو بھی "ید" کہتے ہیں اور صرف انگلیوں والے حصے کو بھی "ید" ہی کہتے ہیں۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ حسب موقع "بازو" یا "ہاتھ" کیا جا سکتا ہے اور عربی میں یہ لفظ (یدٌ) مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

● اپنے ان حقیقی معنی کے علاوہ لفظ "ید" متعدد مجازی اور محاوراتی معنی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "(تلوار یا چھری کا) دستہ، آستین، احسان، نعمت، قدرت، طاقت، ہمت، جماعت، گروہ، مددگار، اطاعت و ملکیت اور رکاوٹ" کے معنی بھی (حسب موقع) دیتا ہے۔ اور مختلف افعال کے ساتھ یہ خاص محاوراتی معنی دیتا ہے جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی آئے ہیں مثلاً "سُقِطَ فِی اَیْدِیھِمْ" (الاعراف: ۱۴۹) کے معنی ہیں "پشیمان ہوئے۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے" اور "ما قدمت ایدیھم" (البقرہ: ۹۵ اور متعدد جگہ) کا مطلب ہے "ان کے کرتوت" (لفظی "جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا" یعنی اعمال)

● "ید" کی جمع مکسر "اَیْدِی" ہے جس کی اعرابی گردان "ایدٍ - ایدیًا - ایدٍ" بنتی ہے "ایدٍ" کو "ایدٍ" بھی لکھا جا سکتا ہے۔ مگر جب یہ مضاف ہو کر آئے تو پھر "ایدِیْ" ہی (تنوین گرنے کے باعث) استعمال ہوتا ہے اور معرف باللام ہو کر بھی یہ "الاَیْدِیْ" (رفع و جر میں) یا "الاَیْدِیَ" (نصب میں) ہو جاتا ہے اس کی یہ مختلف صورتیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔

● "بین" اور "ید" کی مذکورہ بالا وضاحت کے بعد اب آپ غالباً "بَیْنَ یدَیھا" کا ترجمہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ بالکل لفظی ترجمہ تو بنتا ہے: "درمیان یا سامنے دونوں ہاتھوں اس کے کے" جس کی سلیس اور بامحاورہ صورت ہے: "اس کے دونوں ہاتھوں کے آگے/سامنے/درمیان" اور اسی کو مختصراً "اس کے سامنے/آگے" بھی کہہ سکتے ہیں۔

● اور اس طرح پوری زیر مطالعہ ترکیب "لما بین یدیھا" کا ترجمہ بنے گا "اس/ان کے لیے جو

ان کے سامنے آگے تھے ہیں" اور اس میں ضمیر مؤنث "ھا" چونکہ اس بستی یا جماعت کے لیے ہے جن کا قصہ بیان ہو رہا ہے اس لیے "لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا" کا وضاحتی ترجمہ "ان کے لیے/ جو وہاں موجود تھے/ شہر کے روبرو والوں/ جو وہاں تھے/ جو اس قوم کے معاصر تھے/ جو اس وقت موجود تھے/ اس زمانہ والوں/ اس وقت کے لوگوں/ اس زمانے کے لوگوں (کے لیے)" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ ان سب تراجم میں نص میں غیر موجود بہت سے الفاظ (وقت، زمانہ، وہاں، قوم، شہر وغیرہ) کا اضافہ ضمیر "ھا" کی وضاحت کے لیے کرنا پڑا ہے۔

۲:۴۲:۱(۶) [وَمَا خَلْفَهَا] "وَمَا" (اور وہ جو کہ) یہاں سابقہ عبارت کے "لِمَا" کی وجہ سے دراصل "وَلِمَا" کے معنی میں ہے یعنی "اور ان/ اس کے لیے جو" اور "خلفها" کی آخری ضمیر مجرور تو "(اس کا/ کی)" کے معنی میں ہے اور لفظ "خلف" (جو یہاں منصوب اور خفیف ہے) کا مادہ "خ ل ف" اور وزن "فَعْلٌ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۳۰ [۲:۲۲:۱(۴)] میں بات ہو چکی ہے۔ ویسے اس مادہ سے فعل کا کوئی صیغہ ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا اس مادہ سے فعل کا پہلا استعمال البقرہ: ۸۰ میں باب افعال سے آئے گا اور اس مادہ سے فعل مجرد کا ایک صیغہ پہلی دفعہ الاعراف: ۱۶۹ میں ہمارے سامنے آئے گا۔

● یہ لفظ (خَلْفٌ) فعل مجرد (خلف فلانًا يخلُف خَلْفًا = وہ فلاں کے پیچھے ہو لیا) کا مصدر بھی ہے (یعنی پیچھے ہو جانا) اور اس سے بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے مختلف معنی ہوتے ہیں مثلاً "بیٹا/ نالائق اولاد/ بیہودہ بات" وغیرہ تاہم اس کے مشہور (یا بنیادی) معنی "پیچھے" ہیں جو "أَمَام یا قُدَّام" (آگے) کی ضد ہے۔

● یہ لفظ ویسے تو معرب بھی استعمال ہوتا ہے لیکن جب یہ ظرف (.... کے پیچھے) کے معنی میں آئے تو پھر یہ اسم مبہم کی طرح مضاف ہو کر آتا ہے اور بوجہ ظرفیت منصوب ہو جاتا ہے اور اس کے آخر پر صرف فتحہ (ـَ) آتی ہے یعنی یہ بصورت "خَلْفَ ..." استعمال ہوتا ہے (بعد اور قبل کی طرح) اور اس سے پہلے "مِنْ" آئے تو یہ مجرور بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح "خَلْفَهٗ" اور "مِنْ خلفه" دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی "اس کے پیچھے/ بعد"

یہاں آیت زیر مطالعہ میں یہ اسی طرح (بطور ظرف) آیا ہے۔ اور اس طرح اس ترکیب "وَمَا خَلْفَهَا" کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "اور جو اس (مؤنث) کے پیچھے ہے/ ہیں/ تھا/ تھے" اور چونکہ یہاں یہ ماضی کے ایک واقعہ کے سلسلے میں آیا ہے اس لیے "جو اس کے پیچھے تھے" ترجمہ ہونا چاہیے مگر یہاں بھی ضمیر "ھا" چونکہ بستی، قوم و جماعت یا وقت کے لیے ہے اس لیے اس کا بھی وضاحتی ترجمہ اسم الفاعل

کی طرح کیا گیا ہے یعنی پیچھے والوں/ پیچھے آنے والوں/ جو پیچھے آنے والے تھے/ جو مابعد زمانہ میں آتے رہے/ جو اس کے بعد آنے والے تھے/ ان کے بعد والوں/ بعد کے لوگوں" کی صورت میں کیا گیا ہے یہاں بھی ضمیر "ھا" کی وضاحت کے لیے اصل نص (عبارت) کے الفاظ پر بعض الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا ہے۔ اور بعض ترجموں میں "ما" اور "ھا" کا ترجمہ نظر انداز کرنا پڑا ہے جیسے "بعد والوں" کا۔

۲ : ۴۲ : ۱ (۷) [وَمَوْعِظَةً] ابتدائی "و" تو بمعنی اور ہے۔ اور لفظ مَوْعِظَةً (جو عبارت میں منصوب آیا ہے) کا مادہ "و ع ظ" اور وزن "مَفْعِلَةٌ" ہے۔

اس مادہ سے فعل مجرد "وعَظ ... یَعِظُ (دراصل یَوْعِظ) وَعْظًا و مَوْعِظَةً "(باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: "... کو نصیحت کرنا، نتائج یاد دلانا، سمجھانا۔" یعنی یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہ آتا ہے۔ اور جس بات کی نصیحت کی جائے (یعنی مفعول ثانی) اس پر یا تو "باء" (ب) کا صلہ آتا ہے یا "أنْ" سے شروع ہونے والا ایک جملہ آتا ہے جیسے "أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ" (سبأ: ۴۶) یعنی "میں تم کو ایک (بات کی) نصیحت کرتا ہوں" اور دوسری جگہ ہے "یعظکم اللہ أن تَعُوْدُوا" (النور: ۱۷) یعنی "اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ دوبارہ (ایسا کام نہ) کرو"۔ اس فعل سے اسم الفاعل "واعظ" اردو میں بھی عام مستعمل ہے۔

● لفظ "مَوْعِظَة" اس فعل مجرد کا مصدر بھی (بمعنی سمجھانا) اور اس سے ماخوذ ایک اسم بھی ہے جس کے معنی "نصیحت، پند و نصیحت" یعنی وہ بات جو سمجھانے کے لیے کی جائے یا "واعظ کا قول" ہیں جسے عربی میں "عِظَةٌ" بھی کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں اس فعل مجرد (وعَظ یَعِظ) سے مختلف صیغے ۱۵ جگہ آئے ہیں۔ اس سے مزید فیہ کا کوئی فعل قرآن میں نہیں آیا۔ (اگرچہ عام عربی میں استعمال ہوتے ہیں) اور لفظ "موعظة" (معرفہ نکرہ مختلف حالتوں میں) کل ۹ جگہ آیا ہے۔

[لِلْمُتَّقِينَ] ابتدائی لام الجر کے بعد لفظ "المتقين" ہے جس کا مادہ "و ق ی" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "مُفْتَعِلِيْنَ" ہے یعنی یہ اس مادہ سے باب افتعال کا صیغہ اسم الفاعلین کا صیغہ جمع مذکر سالم (بحالت جر) ہے۔ باب افتعال سے اس کے فعل "اتَّقىٰ یَتَّقِي اِتِّقاءً = بچنا، پرہیز کرنا" کے معنی کے علاوہ اس کے فعل اور اسم الفاعل میں ہونے والی تبدیلیوں یعنی تعلیل صرفی (اصل شکل کیا تھی کیسے بدل گئی) کے بارے میں بحث البقرہ: ۲ [۲:۱:۱(۷)] میں اور اسی لفظ "للمتقين" کے تراجم وغیرہ بھی بیان ہو چکے ہیں نیز البقرہ: ۲۱ [۲:۱۶:۱(۵)] کو بھی دیکھ لیجئے۔

۲:۴۲:۲ الإعراب

زیر مطالعہ دو آیات (۶۵-۶۶) بلحاظ اعراب تو تین جملوں پر مشتمل ہیں. جو فاء عاطفہ کے ذریعے باہم ملا دئے گئے ہیں اور یوں بلحاظ مضمون ایک ہی بڑا جملہ بنتے ہیں۔

① ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت

[وَ] استینافیہ ہے جس سے ایک الگ جملہ شروع ہوتا ہے۔[لقد] لام تاکید (لَ) اور حرف تحقیق (قدْ) مل کر تاکید میں زور پیدا کرتے ہیں. بعض نحویوں کے نزدیک اس سے پہلے قَسَم کا ایک لفظ محذوف ہے جس کے جواب میں "لقد" کا لام (لَ) آیا ہے ترجمہ بنے گا "بخدا ضرور ہی" [علمتم] فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر فاعلین "انتم" شامل ہے۔[الذین] اسم موصول ہے جس سے "علمتم" کا مفعول بہ شروع ہوتا ہے اس لیے یہاں "الذین" محلاً منصوب ہے [اعتَدَوا] فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس میں ضمیر فاعلین "ھُمْ" مستتر ہے [منکم] جار (مِن) اور مجرور (کم) مل کر فعل "اعتدوا" کی ضمیر فاعلین (ھم) کا بیان (وضاحت) ہے یا تبعیض کے لیے ہے۔ [فی السبت] فِیْ (حرف الجر) اور "السبت" (مجرور بالجر) کا مرکب ہے۔ اور یہ متعلق فعل "اعتدوا" ہے۔ دراصل یہاں ایک لفظ "یوم" محذوف ہے اصل مراد "فی یوم السبت" ہے یعنی "سبت کے دن کے (احکام کے) بارے میں" یہاں تک کی عبارت (اعتدوا منکم فی السبت) "الذین" کے صلہ کا کام دے رہی ہے اور یہ صلہ موصول مل کر فعل "علمتم" کا مفعول بہ (لہٰذا محلاً منصوب جملہ) ہے اور یہ پوری عبارت (ولقد ..... السبت) ایک مکمل جملہ فعلیہ ہے۔

② فقلنا لهم کونوا قردة خٰسئین

[ف] عاطفہ تعلیلیہ بمعنی "اس لئے" ہے [قلنا] فعل ماضی مع ضمیر تعظیم "نحن" ہے جس کی علامت آخری "نا" ہے اسی لیے اسے "نون التعظیم" بھی کہتے ہیں یعنی جب اس میں ضمیر فاعلی (نحن) اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اس فعل "قلنا" کا عطف سابقہ فعل "اعتدوا" پر ہے یعنی "اعتدوا فقلنا" (انہوں نے سرکشی کی اس لیے ہم نے کہا)۔ [لھم] جار مجرور (ل + ھم) متعلق فعل "قلنا" ہے یعنی یہ ایک طرح سے "قلنا" کا مفعول ثانی (جسے کچھ کہا جائے) ہے۔ [کُونُوا] فعل امر ناقص ہے جس میں اس کا اسم "انتم" مستتر ہے۔ [قِرَدَۃً] اس (کونوا) کی خبر (لہٰذا) منصوب ہے [خاسئین] (یہ رسم املائی ہے) کو "کونوا" کی خبر ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور چاہیں تو اسے "قردة" کی صفت بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اور جمع سالم اس لیے آئی ہے کہ یہاں گویا "قردة" (بندروں) کو ذوی العقول سے تشبیہ دی گئی ہے ورنہ تو صفت "خاسئة" ہوتی۔ اور پھر یہ صفت موصوف مل کر "کونوا" کی خبر (لہٰذا) منصوب ہیں. جملہ "کونوا قردة خاسئین"

فعل "قلنا" کا مقول (جو بات کہی گئی) یعنی مفعول بہ ہے اس لیے اس (جملے) کو محلاً منصوب کہہ سکتے ہیں۔"کونوا" یہاں حکم تکلیفی (تشریعی) نہیں بلکہ حکم تکوینی ہے یعنی ہم نے کہا ہو جاؤ پس وہ ہو گئے ذلیل بندر" کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو "ہو جا" کہنے کا مطلب ہے اس کے ہو جانے کا حکم جاری کرنا۔ اور وہ ہو جاتی ہے۔

(۳) فجعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا وموعظۃ للمتقین۔

[ف = فاء] عاطفہ سببیہ ہے بمعنی "اس لیے"۔[جعلنا] فعل ماضی مع ضمیر تعظیم "نحن" ہے اور [ھا] ضمیر منصوب اس (جعلنا) کا پہلا مفعول بہ ہے اور یہ جملہ فعلیہ (فجعلناھا) فائے عاطفہ کے ذریعے سابقہ فعل "قلنا" پر عطف ہے۔"جعلناھا" کی مؤنث ضمیر منصوب (ھا) کا مرجع یا تو وہ "قریہ" یا بستی ہے یا وہ "امت یا جماعت" جس میں یہ واقعہ ہوا تھا۔ یا یہ اس فعل (بندر ہو جانا) کے لیے ہے جو ان پر واقع ہوا جسے عربی میں "مُسْخَۃ" (مسخ ہو جانا) کہتے ہیں یا یہ اس "عقوبۃ" (سزا) کے لیے ہے جو ان پر نازل ہوئی یعنی "ہم نے بنا دیا اس قریہ/بستی/جماعت/امت/قردۃ (بندروں)/عقوبت کو" (عبرت .... جو آگے آ رہا ہے) [نکالاً] فعل "جعلنا" (ہم نے بنا دیا) کا مفعول ثانی ہے۔ ("جَعَل" کے اکثر دو ہی مفعول آتے ہیں)۔[لِمَا] لام الجر (لِ) اور اسم موصول (ما) جو یہاں مجرور ہے" مل کر متعلق (نکالاً) ہے یا یوں کہیے کہ "نکالاً" نکرہ موصوفہ ہے جس کی صفت "لِمَا" سے شروع ہوتی ہے یعنی "ایسا نکال (عبرت) جو کہ تھا . . ." یعنی اس میں نکال (عبرت) کی مزید وضاحت ہے کہ کس کے لیے "نکال" (عبرت) بنائے گئے ہ [بین یدیھا] میں "بین" تو ظرف مضاف ہے جو "یدیھا" کی طرف (جو خود بھی مرکب اضافی "یدی + ھا" ہے) اور بظاہر یہ (بین) ظرف زمان ہے یعنی اس وقت والے لوگ مراد ہیں۔یہاں بھی ضمیر مجرور "ھا" کا مرجع مثل سابق "قریۃ یا امۃ" ہی ہو سکتا ہے۔[وَمَا] کی واو عاطفہ اور "ما" موصولہ ہے جو یہاں "لِمَا . . ." پر عطف ہے [خَلفَھا] میں "خَلف" ظرف (جو زمان کے لیے ہے) ضمیر مجرور "ھا" کی طرف مضاف ہو کر اس (دوسرے) "ما" کا صلہ بنتا ہے اور یہاں بھی "ھا" کا مرجع وہی (قریۃ، امۃ وغیرہ) ہے جو سابقہ دو "ھا" کا ہے۔ اس طرح "مابین یدیھا" اور "ما خلفھا" دونوں (الگ الگ ہر ایک) صلہ موصول ابتدائی لام (جو "لِمَا" میں ہے) کے ذریعے "نکال" سے متعلق کر دیئے گئے ہیں یا اس کی صفت سمجھ لیجئے یعنی "ایسا نکال (عبرت) جو "مابین یدیھا" اور "ما خلفھا" کے لیے تھا"۔[وموعظۃ] واو عاطفہ کے ذریعے "موعظۃ" کا عطف بھی "نکالاً" پر ہے یعنی یہ فعل "جعلنا" کے مفعول ثانی پر عطف ہے اس لیے منصوب ہے۔ (جعلناھا نکالاً وموعظۃ) [للمتقین] حرف الجر (لِ) اور مجرور (المتقین) مل کر "موعظۃ" کی

صفت کا کام دے رہا ہے گویا "موعظة" بھی نکرہ موصوفہ ہے یعنی ایسی "موعظة" (نصیحت) جو للمتقین کے لیے ہے. کیونکہ اس سے فائدہ تو وہی حاصل کرتے ہیں. اگرچہ وہ نصیحت یوں تو سب کے لیے ہی ہے۔

● یہاں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کی قدرے تفصیل آگے (الاعراف: ۱۶۳ تا ۱۶۶) میں آئی ہے۔ اس مسخ کی حقیقت کیا تھی۔ اس کے لیے کسی مستند تفسیر کا مطالعہ کر لیجئے۔

۲:۴۲:۳ الرسم

زیر مطالعہ آیات میں بلحاظ رسم صرف تین کلمات توجہ طلب ہیں یعنی "خاسئین" "فجعلناھا" اور "نکالا" (یہاں ہم نے فرق سمجھانے کے لیے ان کو رسم املائی کے مطابق ہی لکھا ہے۔ ان کے رسم عثمانی (قرآنی) کی تفصیل یوں ہے:

(۱) "خاسئین" جو (بصورت جمع مذکر سالم) قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے (یہاں اور الاعراب: ۱۶۶ میں)، رسم عثمانی کے مطابق اس میں لکھتے وقت ایک تو الف (بعد الخاء) حذف کر دیا جاتا ہے دوسرے "س" اور "ی" کے درمیان ہمزہ کے لیے کوئی نبرہ (دندانہ) نہیں لکھا جاتا یعنی یہ مذکورہ دونوں مقامات پر بصورت "خسین" لکھا جاتا ہے۔ البتہ ایک جگہ (الملک: ۴) جہاں یہ لفظ بصورت واحد آیا ہے وہاں اسے "خاسِئًا" ہی لکھا جاتا ہے یعنی الف (بعد الخاء) کے اثبات اور ہمزہ کے دندانہ کے ساتھ مگر مذکورہ دو (جمع مذکر والے) مقامات پر اسے الف (بعد الخاء) اور نبرہ (برائے ہمزہ) کے حذف سے ہی لکھا جاتا ہے اور یہ رسم عثمانی کا متفقہ مسئلہ ہے۔

(۲) "فجعلناھا" کو رسم عثمانی کے مطابق بحذف الف بعد النون لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "فجعلنھا" بلکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ قرآن کریم میں ضمیر مرفوع متصل (نا) کے بعد کوئی ضمیر مفعول آئے تو ان کو ملا کر (بحذف الف "نا") لکھا جاتا ہے۔ رسم املائی میں الٹا اس طرح لکھنا غلط سمجھا جاتا ہے۔

(۳) "نکالا" کا رسم مختلف فیہ ہے "الدانی" کے مطابق یہ باثبات الف (رسم املائی کی طرح) لکھا جاتا ہے مگر ابوداؤد کی طرف منسوب قول کی بنا پر عرب اور بیشتر افریقی ممالک میں اسے بحذف الف لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "نکلا" پھر ضبط کے ذریعے اس محذوف الف کو ظاہر کیا جاتا ہے

۲:۴۲:۴ الضبط

زیر مطالعہ قطعہ کے کلمات میں ضبط کا تنوع درج ذیل نمونوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

وَلَقَدْ، لَقَدْ/ عَلِمْتُمْ ،عَلِمْتُمْ/ الَّذِيْنَ،

الَّذِينَ ، الَّذِينَ ، الَّذِينَ / اعْتَدَوْا ، اعْتَدَوْا ، اعْتَدَوْا /
مِنْكُمْ ، مِنكُمْ ، مِنكُمْ / فِي السَّبْتِ ، السَّبْتِ ،
السَّبْتِ / فَقُلْنَا ، فَقُلْنَا ، فَقُلْنَا / لَهُمْ ، لَهُمْ /
كُونُوا ، كُونُوا ، كُونُوا / قِرَدَةً ، قِرَدَةً / خٰسِئِينَ ،
خٰسِئِينَ ، خٰسِئِينَ / فَجَعَلْنٰهَا ، فَجَعَلْنٰهَا ، فَجَعَلْنٰهَا /
نَكَالًا ، نَكَالًا ، نَكَلًا (بحذف الف) / لِمَا ، لِمَا ، لِمَا /
بَيْنَ ، بَيْنَ / يَدَيْهَا ، يَدَيْهَا ، يَدَيْهَا / وَمَا ، مَا ،
مَا / خَلْفَهَا ، خَلْفَهَا ، خَلْفَهَا / وَمَوْعِظَةً ، مَوْعِظَةً /
لِلْمُتَّقِينَ ، لِلْمُتَّقِينَ ، لِلْمُتَّقِينَ ، لِلْمُتَّقِينَ۔

بقیہ: علمِ تفسیر پر ایک نظر

۹۵ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ (الانعام۔۵۷)
ترجمہ: "فیصلے کا اختیار اللہ ہی کو ہے' وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"۔

۹۶ حجاج نے بغاوت میں ابن اشعث کا ساتھ دینے کے جرم میں ۸۰ھ میں قتل کیا۔

۹۷ مسئلہ قدر کا فتنہ سب سے پہلے اہل عراق میں سے ایک شخص "سوسن" نامی نے چھوڑا' جو نصرانی تھا' پھر اسلام لایا اور پھر نصرانی ہو گیا۔ سوسن نے معبد جہنی سے حاصل کیا اور معبد سے غیلان دمشقی (مقتول ۱۰۵ھ) نے' اور اسی لئے بعض محدثین یہ کہا کرتے کہ معبد جہنی نصاریٰ کی باتیں بیان کرتا ہے (تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۰ص ۲۲۵) اس طرح یہ فتنہ دراصل نصرانیت کا پیدا کردہ تھا' جس نے آگے چل کر جیسی کچھ آگ بھڑکائی ہے' وہ اہل تاریخ سے مخفی نہیں۔